© rasailojaraid.com

اپنے پاس سے اٹھا سکوں'' (۲)

سرسید کی وفات کے ضمن میں مفتی صاحب نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ اپنی ''انقلابی تعلیمی تحریک'' کو ذاتی منفعت کے لئے استعمال نہ کرنے کے سبب انتقال کے وقت سرسید کے ترکے میں اتنی بھی رقم نہ تھی کہ ان کی تجہیز وتکفین کا انتظام ہو سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اس قدر قلاش تو نہیں ہو چکے تھے۔ وہ گورنمنٹ برطانیہ کے دہرے پنشنر تھے' ایک ملازمت کی پنشن جس کے حقدار وہ انتقال سے بائیس برس پیشتر 1876ء میں قرار پائے (۳) اور دوسری پنشن جنگ آزادی کے دوران انگریز آقاؤں کی خدمات انجام دینے کے عوض جس کا ذکر خود سرسید نے ان الفاظ میں کیا ہے:

'' اس کے عوض میں سرکار نے میری بڑی قدر دانی کی' عہدہ صدر الصدوری پر ترقی کی اور علاوہ اسکے دوسو روپیہ ماہواری پنشن مجھ کو اور میرے بڑے بیٹے کو عنایت فرمائے اور خلعت پانچ پارچہ اور تین رقم جواہر' ایک شمشیر عمدہ قیمتی ہزار روپیہ کا اور ہزار روپیہ نقد واسطے مدد خرچ کے مرحمت فرمایا'' (۴)

ان کا مسلسل ذریعہ آمدن دونوں پنشنیں تھیں' صرف موخر الذکر پنشن کی رقم کی تعداد کا اس زمانے کے حساب سے تعین کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ دوسو روپیہ ماہوار کس قدر امیرانہ پنشن تھی' مفتی صاحب کو چاہیے تھا کہ سرسید کے انتقال کے واقعے کو غیر حقیقی رنگ نہ دیتے بلکہ اس کا اصل پس منظر بیان کرتے' آخر کیا وجہ تھی کہ اتنے لائق وفائق فرزند ارجمند سید محمود کی موجودگی کے سرسید کا انتقال ایک دوست کے مکان میں ہوا اور ان کی تجہیز وتکفین دوستوں کے روپے سے ہوئی؟ وہ سید محمود جنہیں اپنی جگہ علی گڑھ کالج کا وارث بنانے کے لئے سرسید نے اپنے مخلص ترین رفیقوں سے اس قدر لڑائی مول لی کہ ان لوگوں کو کالج کی ترقی کی جدوجہد سے علیحدگی اختیار کرنی پڑی۔ سرسید کے بہت بڑے معتقد مولوی عبدالحق ان کے آخری ایام کی کیفیت یوں بیان کرتے ہیں:

'' کثرت شراب نوشی نے سید محمود کا دماغ مختل کر دیا تھا اور وہ عالم دیوانگی میں ایسی حرکات کر بیٹھتے تھے جو کسی عنوان قابل برداشت نہیں ہو سکتی تھیں' سرسید کو ناچار وہ گھر چھوڑنا پڑا جہاں وہ تیس سال سے مسلسل رات دن کام کرتے رہے تھے' اور ایک غیر گھر میں جا کر پناہ لینی پڑی'' (۵)

میر ولایت حسین سرسید کے اپنے دوست کے گھر پہنچنے پر ان کے خدمتگاروں کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

'' جس وقت سید صاحب کوٹھی پر پہنچے تو سید صاحب نے ایک آہ کھینچی اور کہا کہ ہائے افسوس' ہم کو کیا معلوم تھا کہ سید محمود آخر عمر میں ہم کو گھر سے نکال دیں گے ورنہ کیا ہم اس قابل نہ تھے کہ اپنے لئے ایک جھونپڑا بنا لیتے'' (۶)

ان حالات میں کہ سرسید کی وفات ایک غیر گھر میں ہوئی جبکہ ان کے واحد وارث ان سے لاتعلق ہو چکے تھے ان کی تجہیز وتکفین دوستوں کے روپے ہی سے ہوئی مفتی صاحب نے اس واقعے کو اور بھی رنگ دے کر اسے سرسید

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی ذاتی منفعت سے بریت کے کھاتے میں ڈال دیا۔ اسی طرح سر ولیم میور کی کتاب کے رد میں اپنی کتاب طبع کروانے میں مفتی صاحب سرسید کی قربانی یہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ''اپنا مکان فروخت کر کے اس کتاب کو طبع کرایا'' صحیح صورتحال کے لئے ہم الطاف حسین حالی سے رجوع کرتے ہیں:

''سرسید ولایت میں خطبات احمد یہ لکھ رہے تھے اور سید مہدی علی ہندوستان میں اس کے لئے میٹریل بھیجتے تھے وہ ولایت میں اس کو چھپوا رہے تھے اور یہ ہندوستان میں اس کی چھپائی کے لئے چندہ وصول کر کر کے روزانہ کرتے تھے''(۷)

خدا جانے مفتی صاحب نے یہ نئی دریافت کہاں سے کی کہ سرسید نے کتاب چھپوانے کے لئے اپنا مکان بیچ دیا ان کے بیان کردہ دیگر نکات پر بھی بحث کی بہت گنجائش ہے مگر اس سے گریز کرتے ہوئے ان کے مضمون میں درج دو واقعات کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو بیان کنندگان کی تفصیلات کی روشنی میں من گھڑت ثابت ہوتے ہیں۔ ایک واقعے کو یوں بیان کیا گیا ہے:

صوبہ سرحد سے ایک پٹھان ان کے پاس ان کے مذہبی خیالات معلوم کرنے کے لئے آئے۔ سرسید نے ان سے گفتگو شروع کی ہی تھی کہ ایک جدید تعلیم یافتہ مسلمان بھی آ گئے۔ سرسید نے فوراً کہا'' لیجئے' یہ آ گئے ہیں' آپ ان کو مطمئن کر دیجئے'' جب وہ نوجوان رخصت ہو گیا تو سرسید نے کہا'' جو عقائد آپ کے ہیں' وہی میرے بھی ہیں لیکن میرے سامنے یہ سوال ہے کہ اس دور کے تعلیم یافتہ مسلمان کو اسلام سے کیسے وابستہ رکھا جائے'' سرحدی پٹھان یہ سن کر خاموش ہو گیا اور کہنے لگا'' میں آپ کو قتل کرنے کے ارادہ سے آیا تھا اور اب میں آپ کا ہمنوا بن کر لوٹ رہا ہوں''(۸)

نہایت ہی مختصر طور پر بیان کردہ یہ واقعہ اس سے قبل ''برہان'' دہلی کے شمارہ ۱۹۶۶ء میں ''سرسید احمد اور دیوبند'' کے عنوان سے بالتفصیل شائع ہو چکا ہے۔ مفتی صاحب محض یادداشت کے زور پر بیان کرتے ہوئے کچھ گڑبڑ کر گئے۔ یہ پٹھان نوجوان' جسے تفصیلی واقعے میں ملا دوست محمد قندھاری بتایا گیا ہے' سرسید کے پاس صوبہ سرحد سے ان کے خیالات معلوم کرنے نہیں آیا تھا بلکہ دیوبند سے فارغ التحصیل ہو کر وہیں سے بقول خود ''ایک مضبوط لکڑی ہاتھ میں لے کر سرسید کا سر پھوڑنے کی غرض سے'' علی گڑھ گیا تھا' قتل کرنے کی نیت سے نہیں' اصل واقعے میں بیان کردہ اہم نکتہ یہ ہے کہ اس سے قبل اس نے مولانا محمد قاسم نانوتوی سے سرسید کے خلاف اسلام عقائد کی نشان دہی کروائی تھی۔ راقم الحروف ''الحق'' اکوڑہ خٹک کے شمارہ مارچ اپریل ۱۹۹۶ء میں اس واقعے کے مندرجات کو دلائل کی رو سے غلط ثابت کر چکا ہے۔

دوسرا واقعہ جس نے مجھے اصل میں چونکایا اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

'' سرسید کے عقائد کی صحیح یا غلط شہرت کی وجہ سے مذہبی طبقہ ان سے سخت برہم تھا۔ اسیر شاہ خان کڑ قسم کے

© rasailojaraid.com

مذہبی نوجوان تھے اور دینی جذبات سے سرشار رہتے تھے۔ انہوں نے موقع پا کر اپنے پیرومرشد حضرت (مولانا محمد قاسم) نانوتویؒ سے کہا ''حضرت! آپ اجازت دیں تو سرسید کا کام تمام کردوں''۔ مولانا نے فرمایا ''ابھی ٹھہرو، عالم ربانی سے مشورہ کرلوں''۔ عالم ربانی سے مراد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ تھے۔ مولانا نے ان سے مشورہ کیا تو انہوں نے سختی سے منع کردیا۔''(۹)

اس واقعے کی رو سے اکابرین دارالعلوم دیوبند کی بالواسطہ طور پر قاتلوں کا ایسا گروہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے جنہیں موجودہ زمانہ کی اصطلاح میں دہشت گرد کہا جاتا ہے۔

اس واقعے کی جزئیات پر غور فرمایئے، امیر شاہ خان نوجوان اپنے ''پیرومرشد'' سے سرسید کو قتل کرنے کی اجازت طلب کرتا ہے۔ روحانی پیشوا سے اس قسم کی گفتگو سے یہ تاثر ملتا ہے کہ ان کی تربیت اس طرح کی گئی تھی کہ مذہبی اختلافات پر قتل کرنا اور کروانا ان لوگوں کا معمول تھا ورنہ مولانا نانوتوی مبینہ طور پر یہ نہ کہتے ''ابھی ٹھہرو، عالم ربانی سے مشورہ کرلوں'' بلکہ اپنے مرید کو فوری طور پر ایسے ناجائز فعل سے باز رہنے کی تلقین کرتے۔ اس فقرے میں یہ تاثر بھی پایا جاتا ہے کہ بعض معاملات میں مولانا رشید احمد گنگوہی سے مشاورت بھی کی جاتی تھی اور سرسید کے معاملے میں شاید اس وجہ سے اجازت نہ دی گئی کہ ان کو قتل کرنے سے حکومتی سطح پر زبردست ردعمل کا خدشہ تھا۔

متذکرہ بالا تاثرات کی روشنی میں سوچنے کا مقام ہے کہ اس خود ساختہ واقعہ کو بیان کرکے اکابرین دیوبند کو کس قماش کے مذہبی و روحانی پیشوا ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے؟

کتابیات

۱۔ ماہنامہ ''دارالعلوم''، دیوبند، فروری ۱۹۷۹ء ص ۲۶۔۲۷

۲۔ حیات جاوید مولف الطاف حسین حالی، مطبوعہ نامی پریس کان پور (۱۹۰۱ء) حصہ اول ص ۲۰۵

۳۔ مکمل مجموعہ لکچرز سرسید، مطبوعہ مصطفائی پریس لاہور (۱۹۰۰ء) ص ۴۰۵

۴۔ لائل محمڈنز آف انڈیا، مرتبہ سرسید احمد خان مطبوعہ مفصلائٹ پریس آگرہ (۱۸۶۰ء) حصہ اول، ص ۱۷

۵۔ سرسید احمد خان، حالات وافکار مولف مولوی عبدالحق مبیوعہ انجمن ترقی اردو کراچی (۱۹۷۵ء) ص ۸۵

۶۔ میرے پچاس سال علی گڑھ میں (میر ولایت حسین) مطبوعہ کراچی، ص ۱۵۶

۷۔ حیات جاوید (محور بالا)، حصہ دوئم، ص ۳۱۹

۸۔ ماہنامہ ''دارالعلوم''، محور بالا، ص ۲۷۔

۹۔ ماہنامہ ''دارالعلوم''، محور بالا، ص ۲۷

© rasailojaraid.com